اکبر حیدری کشمیری

اردو کا ایک قدیم رسالہ: (مرأۃ الہند، ۱۸۷۵ء)

Pandit Kishan Narayan's "Miraat-ul-Hind", was issued first in 1875 from Lukhnow. The essay is an introductory analytical discussion of the available issues of this antiquated Urdu magazine which is an important historical document and the prototype of Urdu literary magazines.

❖•❖•❖•❖•❖•❖

ہندوستان میں ہماری برادری کے کشمیری پنڈت ایک مہذب، شائستہ اور تعلیم یافتہ قوم ہے۔ تعلیم حاصل کرنا ان کا نصب العین رہا ہے۔ ان کے مزاج میں نرمی اور استقلال ہے جس شہر کو اپنا مسکن بناتے ہیں وہاں اپنی قابلیت کے جوہر دکھاتے ہیں۔ پنجاب، دہلی، آگرہ اور لکھنو وغیرہ ہجرت کر کے یہیں کے ہو رہے اور اپنی تہذیب و شناخت کا لوہا منوایا۔ انہوں نے اردو نظم و نثر اور فن صحافت نگاری میں بھی اپنا سکہ جما دیا۔ زبان و ادب کی جو گراں مایہ خدمات انجام دیں وہ سنہری حروف میں لکھنے کے قابل ہے۔ انہی پنڈتوں میں جناب کشن نرائن صاحب اردو کے مشہور نثر نگار پنڈت رتن ناتھ سرشار کے ہمعصر اور مربوط دوستوں میں اور اردو ادب کے دلداہ تھے۔ وہ ''مراسلہ کشمیر'' کے سیکرٹری تھے۔ لکھنو میں اس نام کی سوسائٹی کشمیری پنڈتوں نے قائم کی تھی۔ اس کے زیر اہتمام ایک اخبار بھی ۱۸۷۲ء میں جاری ہوا تھا جس کا نام'' مراسلہ کشمیر'' تھا۔ اس کے ایڈیٹر اور منتظم

Scanned by CamScanner

پنڈت شیونرائن تخلص بہار کشمیری تھے۔ بہار کے انتقال (۱۸۷۴ء) کے بعد پنڈت بشن نرائن تخلص ابر نے مراسلہ کشمیر کا سنبھالا تھا۔ اس کا کوئی پرچہ ہاتھ نہیں لگا۔ البتہ "کشمیردرپن" کے ایک شمارے سے معلوم ہوا کہ مراسلہ کشمیر ایک سوشل اخبار تھا جو کشمیری پنڈتوں کی تعلیم، روزگار اور بہبودی کا خواہاں تھا اور اس میں زیادہ تر انہی موضوعات پر تحریریں چھپتی تھیں۔

ستمبر ۱۸۷۵ء میں پنڈت کشن نرائن نے ایک ماہنامہ اردو رسالہ "مراۃ الہند" کے نام سے محلہ رانی کٹرہ لکھنو سے جاری کیا۔ اس کا حوالہ میری نظر سے کہیں نہیں گزرا۔ خوش قسمتی سے مجھے اس کے ۳۶ مکمل شمارے (۱۵ ستمبر ۱۸۷۵ء سے ۱۵ ستمبر ۱۸۷۸ء تک) ایک ضخیم جلد میں دستیاب ہوئے۔ یہ غالباً شمالی ہند کا پہلا ادبی رسالہ ہے۔ اس میں کچھ اہم خبریں اور سماجی مضامین بھی چھپتے تھے۔ زیادہ تر مضامین موجد فن ناول نگاری پنڈت رتن ناتھ سرشار کے ہوتے تھے۔ طرز تحریر سے معلوم ہوتا ہے کہ بعض اوقات سرشار اس کے ایڈیٹوریل بھی لکھتے تھے۔ سرشار اس زمانے میں لکھیم پور اور بارہ بنکی میں استاد کے فرائض انجام دیتے تھے۔ یہ مضامین نادر الوجود ہیں اور فسانہ آزاد کی تصنیف ۱۸۷۸ء سے پہلے لکھے گئے ہیں۔ اس لیے ان کی بہت زیادہ اہمیت ہے۔

مراۃ الہند کی تقطیع ۱۷×۲۷ سم ہے۔ ضخامت ۲۸ سے ۳۴ صفحوں پر مشتمل ہے۔ بہت ہی عمدہ اور دبیز کاغذ میں چھپتا تھا۔ کتابت اور طباعت بھی بڑے اہتمام سے ہوتی تھی۔ سرورق جیسا کہ عکس سے معلوم ہورہا ہے بہت ہی صاف ستھرا اور دیدہ زیب کئی رنگوں میں چھپتا تھا۔ اس پر درج ذیل عبارت ہوتی تھی۔

"یہ رسالہ مجاریہ متمان مراسلہ کشمیر مسمی مراۃ الہند مطبع بہار کشمیر لکھنو
میں باہتمام پنڈت کشن نرائن منیجر مطبع چھپ کر شائع ہوا۔"

مراۃ الہند کی ایک اہم خوبی یہ ہے کہ اس کے مختلف شماروں میں کچھ ایسے تاریخی واقعات،

Scanned by CamScanner

مشاعروں، مجلسوں اور تہذیبی جلسوں کے ملتے ہیں جن کے حوالے کسی اور کتاب میں نہیں ملتے ہیں۔ ایڈیٹر صاحب کی زبان مستند، شیریں اور نثر مسجع میں لاجواب ہے۔ طرز اسلوب ایسا شگفتہ اور شاندار ہے کہ رجب علی بیگ سرور کی تصویر آنکھوں میں پھر جاتی ہے۔ بعض نظمیں فارسی میں بھی چھپتی تھیں۔ سال اجراء کا تاریخی قطعہ درج ذیل ہے:

باصفا پاکیزہ اخبار نوی شدہ جلوہ گر — کز فروغش یافتہ نام گزیں مراۃ الہند
بسکہ گردد حال ہر اقلیم از روشن سزد — گفتمش مراۃ عالم نے ہمیں مراۃ الہند
صنع صانع بلند و پست بنما ید بخلق — بر فلک مہر درخشاں بر زمیں مراۃ الہند

چشم آب از مصرع تاریخ دہ اے دیدہ در
یک جہانے را تماشہ کن بہ ایں مراۃ الہند
۵ ۷ ۸ اء

پنڈت تربھون ناتھ سپرو تخلص ہجر نے بھی ''مراۃ الہند'' کے سال اجرا پر ایک فارسی ''قصیدہ بہاریہ در صفت مراۃ الہند'' ۳۵ شعر کا لکھا۔ آخری شعر یہ ہیں:

یافت رنگ و بوئے اجرا یک گل اخبار تو — نام آں مراۃ ہند آئینہ ہندوستاں
مدعایش از فروغ علم و دانش چونکہ بود — کرد رد آں آئینہ باعجز سوئے آسماں
اللہ اللہ ایں چہ آئینہ است من در حیرتم — ہست سرتاسر صفا چوں حوض کوثر بے گماں

ہجر گفتا سال او باروئے زیبائے بہار
۷

ایں چمن بے خوف ماند دائم از فصل خزاں
۸ ۶ ۸ اء
۷
۵ ۷ ۸ اء

مراۃ الہند مورخہ ۱۵ فروری ۱۸۷۶ء کی ابتدا میں اختار کی غرض و غایت کے بارے میں درج ہے:

''یہ رسالہ ماہوار ہر مہینے کی پندرہ تاریخ کو چھپ کر شائع ہوتا ہے۔ قیمت اس کی پیشگی مع

Scanned by CamScanner

محصول ڈاک ۶ رہے اور مابعد للعہ ہیں۔ غرض اس رسالے کی یہ ہے کہ ہندوستان کی ہر طرح ترقی ہواور ہمارے خیالات سرکار تک پہنچ سکیں۔ اس میں تجارت و کیفیت پیشہ دوران و تاریخ و کیفیت علماء و عقلائے ہندو کمیٹی جلسہ ہائے مفید و تہذیب، اخلاق و کیفیت ممالک غیر و مضامین مضحکہ منتج بفواید و رسم و رواج و عادات و مسکرات درج ہوا کریں گے۔"

قواعد وضوابط یہ تھے :

۱۔ کوئی مضمون جس میں کوئی لفظ یا عبارت یافقرہ خلاف تہذیب درج ہوگا۔ وہ لفظ اور عبارت اور فقرہ قابل تحریر متصور نہ ہوگا۔

۲۔ کوئی مضمون یاعبارت یافقرہ جو طنز آمیز اور نفسانیت کی راہ سے لکھاجاوے گا یا باعث اشتعال طبع کسی فرقہ یاشخص کے ہو قابل تحریر تصور نہ ہوگا۔

۳۔ کوئی مضمون یا عبارت یافقرہ جوباعث حقارت کسی قوم یا فرقہ یا شخص کے ہوگا یاباعث قومیں یا رنج دہی رواج ورسم یا مذہب کسی قوم کے ہوگا وہ قابل تحریر نہ ہوگا۔

۴۔ کوئی عبارت یافقرہ یامضمون جوباعث پردہ دری نسواں یا خلاف اصول شرم و حیا کے ہوگا وہ قابل تحریر نہ ہوگا۔

۵۔ کوئی عبارت یامضمون یافقرہ یالفظ فساد انگیز یاکوئی رائے جومصلحت عام کے خلاف یاخلاف رسول اطاعت و خیر خواہی وفاداری حاکم وقت کے ہوگا وہ قابل تحریر متصور نہ ہوگا۔ مضامین جو واسطے اندراج رسالہ ہذا کے ہوں قبل از ۲۵ تاریخ ہر مہینے کے آجایا کریں۔

مراۃ الہند کی اشاعت کی اہمیت اس بات سے معلوم ہوسکتی ہے کہ اس کے خریداروں میں نواب محسن الدولہ، نواب مرزا سلیمان قدر، داروغہ میر واجد علی صاحب اور نواب سید مہدی علی خان بہادر شامل تھے۔ یہ اور دوسرے ناموں کی فہرست ۱۵ فروری ۱۸۷۶ء کے شمارے میں شائع ہوئی تھی۔ اس سے قبل نواب ممتاز الدولہ بہادر متولی حسین آباد خریدار

Scanned by CamScanner

ہوئے تھے۔

جیسا کہ اوپر بیان ہوا ہے کہ مراۃ الہند کے پرچے نادر الوجود ہیں۔اس لیے ذیل میں چند اہم شماروں کے اقتباسات من وعن درج کیے جاتے ہیں۔

ا۔ پہلا شمارہ ۱۵ ستمبر ۱۸۷۵ء:

اس میں دو اہم مضامین ہیں۔ ایک تاریخ اودھ سے متعلق ہے۔اس میں شہزادہ برجیس قدر نسبت نواب ممتاز الدولہ بہادر کی بیٹی وغیرہ کے بارے میں ہے۔ دوسرا مضمون سرشار کا بعنوان ''قومی یک جہتی'' ہے۔ سرشار کے نام کے ساتھ ''ماسٹر لکھیم پور کھیری'' درج ہے۔ پہلا مضمون بطور ایڈیٹوریل کے اس طرح ہے:

> ''۱۷۔۱۸ برس کا زمانہ ہوا کہ برجیس قدر فرزند واجد علی شاہ نے فوج باغیاں اس ملک میں فراہم پاکر اپنے تئیں شاہ ملک اودھ گردانا اور سلطنت انگلشیہ کو ملک ہند سے ہلانا چاہا۔ اس ایام پر فتنہ وفساد میں اس بانوئے نیک خو سے پیغام شادی پیش کیا۔لیکن قبل اس کے یہ نسبت تکمیل پاوے نہ وہ سلطنت تھی نہ وہ سپاہ۔ برجیس قدر نے ملک نیپال میں پناہ لی اور بانوئے خوش قسمت آفت ناگہانی سے محفوظ رہی۔
>
> فرزند نواب مصطفیٰ علی حیدر جو اس باتوئے نیک خو سے بالفعل منسوب ہوا گو مثل برجیس قدر مشہور عالم نہیں،لیکن حالات اس کے پدر بزرگوار کے ایسے ہیں جنہیں انسان غور کرنے سے مقام عبرت میں پڑتا ہے۔ مصطفیٰ علی حیدر فرزند اکبر امجد علی شاہ بادشاہ اودھ کا تھا اور ازروئے قاعدۂ گدی نشینی بعد وفات پدر بزرگوار کے

مستحق ریاست واجد علی شاہ نے اسی برادر کلان کو ریاست سے محروم کیا۔ اورکاش بعد اس فعل ناحق کے اس ریاست کو اپنے قبضے میں رکھتا وہ بھی نہ ہوا۔ پانچ سات برس خوب مال و متاع برباد کرکے ملک سے دست بردار ہوا۔ بھائی کو تازمان سلطنت قید میں رکھا تاکہ وہ رہائی پاکر کوئی بنیاد فساد قائم نہ کرے۔ کہتے ہیں کہ مصطفیٰ علی حیدر نے اس رنج میں سالہا سال کلاہ سر پر نہ رکھی۔ کیونکہ جب گردش زمانہ نے تاج خسروانی سے محروم کیا۔ پھر سر برہنہ رہنا اچھا ہے، بقول شاعر

یا مجھے افسر شاہانہ بنایا ہوتا
یا میرا تاج گدایانہ بنایا ہوتا

اس بانوئے نیک خو کی جائداد ذاتی بہت کچھ ہے۔ سوائے نقد و جنس کے قریب تین ہزار ماہواری سرکار انگلشیہ سے اس کو ملتا ہے۔ تین ہزار روپیہ ماہوار کہ قریب چھتیس ہزار روپیہ سالانہ کے ہوتا ہے۔ ایک عورت کا مشاہرہ گو لوگ سن کر تعجب کریں گے۔ یہ مشاہرہ کس طرح ہوا، کہاں سے آیا۔ کیونکہ ملا۔ لیکن ایک جزو ادنیٰ اس دولت بے شمار کا ہے جو شاہاں اودھ نے اپنی اولادوں اور لواحقوں میں تقسیم کی۔''

یہ دولت عظیم جو شاہان اودھ کو ملی اس کی آمد و رفت میں ترقی و تنزل عظمت دنیوی کا رنگ عجب کیفیت کے ساتھ مختلف اوقات میں نظر آتا ہے۔

''اوّل وہ زمانہ کہ جب سعادت خاں صوبہ دار اودھ ہوا اور بعد اس کے اولاد اس کی یعنی صفدر جنگ، شجاع الدولہ، آصف الدولہ،

Scanned by CamScanner

سعادت علی خان ہر طرف سے زر کو کھینچ کر خزانہ ملک اودھ کو پر کرتے رہے اور صرف کیا عمدہ کاموں میں۔ پھر وہ زمانہ جب کہ قاسم علی صوبہ دار بنگال نے ۲۳ اکتوبر ۱۷۶۴ء کو بمقام بکسر فوج انگلشیہ سے شکست پائی اور شجاع الدولہ صوبہ دار اودھ نے موقعہ پاکر کل مال و متاع اس کا قبضے میں کیا۔ روایت ہے کہ لاکھوں بلکہ کروڑوں روپیہ کا جواہرات اس وقت سے ملک اودھ میں آیا۔ قیمت اس کی تخمینہ بشری سے باہر۔ کئی لاکھ روپے کا جواہر ساتھ مادر واجد علی شاہ کے لندن کو روانہ ہوا کہ شاید ملکہ معظمہ ان جواہرات کے عوض ملک اودھ پھر واپس دیویں۔ لیکن لندن تو دور تھا۔ راستے میں سے صندوق غائب ہوگیا۔ کئی لاکھ روپے کا واجد علی شاہ نے میٹابرج میں فروخت کرکے چھوٹا کلکتہ بسایا۔ جس ملک میں اس قدر جواہرات کی کثرت اس ملک کی اگر اہلِ فرانس یہ روایت کریں کہ ہندوستان میں سونے کے درخت میں جواہرات پھلتے ہیں تو کیا عجب۔ اگر شاہ روس اپنے فرزند ارجمند کو وصیت کر جائے کہ بیٹا ہندوستان کو ضرور لینا تو کیا تعجب!

بعد اس زمانہ زرد گوہر کے آمد اس زمانے کی دیکھئے جبکہ یہ دولت عظیم خزانہ اودھ سے چلنے لگی۔ غازی الدین حیدر، نصیر الدین حیدر، محمد علی شاہ نے ۴ کروڑ روپیہ ملک سے علیحدہ کرکے عوض اس کے بڑے بڑے مشاہرے اپنے فرزندوں اور رفیقوں کے واسطے قائم کیے۔

اے رئیسان و امیران ہند! آپ اس دولت پر ناز نہ

Scanned by CamScanner

کیجئے۔ اگر آپ لوگوں کے پاس کرور ہا روپیہ ہے تو محبت شیریں میں مثل شاہان اودھ کے اپنی اولاد کو حوالہ نہ کیجئے۔ اپنی رعایا اور اپنے ملک کو اولاد سے زیادہ عزیز سمجھئے تا کہ آپ کی دولت کو بقا ہو اور آپ کی اولاد کو نشو ونما۔''

۲۔ جلدا۔ مطبوعہ ۱۵ نومبر ۱۸۷۵ء:

اس شمارے میں (ص۲۳ تا ص۲۶) سرشار کا قابل ذکر مضمون ''لکھنو اور دہلی کی زبان کا جھگڑا'' ہے۔ صفحہ ا میں دو کتابوں کے اشتہار اس طرح ہیں:

''ایک نسخہ نایاب رباعیات عمر (اصل ۔امر) خیام کا مہتمم بہار کشمیر کے ہاتھ آیا ہے۔ یہ کتاب اس مطبع میں نہایت خوشخط چھپنا شروع ہوئی ہے۔ جن صاحب کو خریدنا اس کتاب کا منظور ہوا۔ قیمت پیشگی ۵/ مع محصول ڈاک مہتمم مطبع کے پاس ارسال فرمادیں اور ایک دوسری کتاب عمدہ مسمی بہ جغرافیہ کشمیر خوشخط کاغذ سفید پر بہ صحت تمام چھپی تیار ہے۔ قیمت اس شرح ذیل مقرر ہے ۔ جن صاحب کو گھر بیٹھے کشمیر جنت نظیر کی سیر منظور ہو بارسال قیمت و محصول ڈاک طلب فرماویں۔''

صفحہ۲۲، ''مراسلات'' (مراۃ الہند)

''حضرت ! یہ اخبار میمنت آثار ہے۔ مراۃ الہند مشہور دیار و امصار ہے۔ اس کا نیا رنگ اور نیا قرینہ ہے۔ دیکھنے کو اخبار، مگر حسن و قبح کے لیے آئینہ ہے۔ اللہ اللہ کیا قدرت خالق ارض و سما ہے کہ فرش زیں سطح آب پر بچھا ہے اور خیمہ آسمان چو بہ معلق ہے۔ اولاً

Scanned by CamScanner

اس واہب عطیات نے انسان ضعیف البنیان کے داغ میں خیالات پیدا کیے۔ مختلف قسم کے توہمات ہویدا کیے۔ من بعد قوت ناطقہ عنایت فرمائی۔ جس کے سبب سے اس نے حیوان مطلق پر فضلیت پائی۔ بعد ازاں رفتہ رفتہ درستی زبان میں کوشش ہونے لگی۔ پھر ہر شخص اپنے خیالات کو بذریعہ تحریرات ظاہر کرنے لگا۔ دور افتادہ عزیزوں اور دوستوں کو اپنے حال سے من وعن ماہر کرنے لگا۔ جب اس طرح کے رسل و رسائل سے جانبین کو فائدہ باہمی حاصل ہوا تب ان کا جی رفاہ خلائق کی طرف مائل ہوا۔ پرچہائے اخبار طبع ہونے لگے۔ یہ اخبار بغرض تکمیل اصول تہذیب و سیاست مدن جاری ہوا ہے۔ جو کچھ اس کی تعریف کی جائے اس سے یہ سوا ہے۔ آزادانہ تحریر ہے۔ عالمانہ تقریر ہے۔ ہمدردی کی بو پائی جاتی ہے۔ نیک نیتی کی خو پائی جاتی ہے۔ ترقی علوم میں سرگرمی نمودار ہے۔ تالیف قلوب کے لیے نسخہ مجرب تیار ہے۔ ناظرین باتمکین کو بشارت ہو۔ یہ اخبار نگار خانہ چیں کا ہم پہلو ہے۔ آئینہ سکندری کے زانو بزانو ہے جام جہاں نما کہیے تو بجا ہے، جام جمشید سے کہیں رتبہ سوا ہے۔''

صفحہ ۲۶۔۲۷، ''چیدہ اخبارات''

''بتاریخ ۴ نومبر ۱۸۷۵ء قیصر باغ کی بارہ دری میں ایک کمیٹی اس غرض سے ہوئی تھی کہ جو جھگڑے ہندو اور مسلمانوں میں اس شہر میں واقع ہوتے ہیں وہ عدالت میں پیش نہ ہوں۔ بلکہ ایک جلسہ ایسا قرار پاوے کہ جس میں معزز ہندو اور مسلمان شریک ہوں اور

Scanned by CamScanner

اس جلسے میں یہ سب جھگڑے طے ہوجایا کریں۔ چنانچہ بحضور صاحب چیف کمشنر بہادر ایک درخواست اس مضمون کی گئی ہے۔ راجہ محمد امیر حسن خان بہادر راجہ محمود آباد اس جلسے کے میر مجلس اور مرزا عباس بیگ تعلقہ دار سابق اکسٹرا اسسٹنٹ کمشنر حال پنشندار سکرٹری قرار پائے ہیں۔ دیگر روسائے شہر بھی ہندو اور مسلمان شریک کیے جاویں گے۔ خدا ہمارے رئیسوں کو اپنے فوائد عام میں شریک ہونے کی ہمت عطا کرے۔''

ایضاً۔'' ۱۱ نومبر ماہ حال کی شب کو میر نواب صاحب مونس برادر میر انیس صاحب مرحوم شاعر نامی نے دفعتاً بعارضہ درد جگر مبتلا ہو کر انتقال فرمایا۔''

لاہور۔''۹ نومبر کو مہاراجہ کشمیر یہاں تشریف لاویں گے اور یہاں سے اسٹار آف انڈیا کے جلسے میں شریک ہونے کو کلکتہ تشریف لے جاویں گے۔''

۳۔ جلد ۱ نمبر ۳، مطبوعہ ۱۵ دسمبر ۱۸۷۵ء:

اس میں دو مضامین سرشار کے ہیں۔'' شہاب ثاقب''(ص ۲۰ تا ۲۳) اور ''زلزلہ'' (۲۳۔۳۷)

۴۔ جلد دوم نمبر ۴۔ ۱۵ جنوری ۱۸۷۶ء:

اس شمارے میں سرشار کا ایک مضمون'' ہوا کا بیان'' درج ہے۔

Scanned by CamScanner

۵۔ جلد دوم نمبر۵۔ مورخہ ۱۵ فروری ۱۸۷۶ء:

صفحہ ۱۲۔۱۳ میں ایک عمدہ مضمون ''قدیم اور جدید شاعری'' غالباً سرشار کا ہے۔ ایک اور مضمون سرشار کا (۲۲ تا ۲۵) بقیہ ''ہوا کا بیان'' ہے۔ ص ۱۰۔۱۱ میں ایڈیٹر صاحب لکھتے ہیں:

''لکھنو ۸ فروری ۱۸۷۶ء خدا جانے کہاں کا سناٹا لکھنؤ پر چھا گیا ہے کہ کوئی آواز بھی نہیں نکالتا۔ نہ وہ چہچہے نہ وہ قہقہے نہ وہ چرغے کہ ریل پر آج حضور شہزادہ صاحب بہادر تشریف لائیں گے۔ نہ قیصر باغ کی تیاریاں۔ نہ کمیٹیوں کی دھوم، نہ تعلقداروں کے ہجوم، نہ رئیسوں کی آمد نہ امیروں کے جلوس، یہ سب باتیں جو کل تک ایک دن میں ہزار بار دہرائی جاتی تھیں۔ آج وہ سما ہے کہ ذکر ان کا کہیں سنائی نہیں دیتا۔ سناٹا ہے کہ مادہ فالج کا شہر پر گرا ہے کہ کوئی عضو جنبش ہی نہیں کرتا۔ اس فکر میں تھا کہ یاالٰہی یہ عالم سکوت کہاں تک طاری رہے گا۔ کیا دل وحشی اس میں گھٹا کرے گا کہ ایک بارگی سڑک پر آواز کسی امیر کی سواری کی کان تک پہنچی۔ اشتیاق سے چھت پر جا کھڑا ہوا دیکھتا کیا ہوں کہ دو چار سوار آگے جوڑی پر کوئی رئیس باکر وفر جا رہا ہے۔ یہ کون رئیس ہے۔ لوگ ایک دوسرے سے پوچھنے لگے۔ رئیس کا تھوڑی دور جانا تھا کہ صدا چاروں طرف سے بلند ہوئی کہ مہاراجہ بیکانیر شہر لکھنو میں سیر کو آئے ہیں۔

میں سوچنے لگا کہ لکھنو کی سیر کو آئے ہیں۔ لکھنو میں اب کیا ہے جس کی سیر کریں گے۔ کہاں وہ قیصر باغ کے سامان، کہاں وہ حسین آباد کے جلوس، کہاں وہ چوک کے ہجوم، قدم قدم پر لوگوں

Scanned by CamScanner

چہچہانا۔ کوٹھوں پر ماہ پیکروں کا اترنا۔ یہ سب باتیں کہاں ہیں جن کی کوئی سیر کرے اور یہ سڑک جس پر یہ گھوڑے بگٹٹ جا رہے ہیں کہ قدر مکانوں سے بسی ہوئی تھی ۔کیا کیا عمارتیں تھیں ۔کیا کیا دکانیں۔ کس وقت سے یہ لوگ اس راہ میں چلتے تھے کیسے ادب سے قدم دھرتے تھے۔ اس انقلاب میں منڈلا رہا تھا کہ لوگوں نے آمد محرم کا ذکر شروع کر دیا۔ محرم کی آمد نے زخم کہنہ کو تازہ کیا۔ کہاں وہ زیارتیں ،کہاں وہ تعزیہ داریاں ،رات رات بھر زیارتوں کے لیے پھرنا ہر ہر امام باڑے میں لاکھوں روپے کا سامان، کہیں سوز، کہیں مرثیہ خوانی، کہیں ماتم، کہیں مومنوں کو روز و شب رو رو کر بسر کرنا۔ کہیں میر انیس کہیں مرزا دبیر کا پڑھنا۔ افسوس کہ یہ دونوں چراغ ہندوستان کے دفعتاً یکے بعد دیگرے گل ہو گئے۔ کیا بلا کی طبیعت ان دونوں صاحبوں نے پائی تھی کہ جس مجلس میں پڑھتے تھے ہزاروں آدمیوں کی زبان سے سوائے واہ وا کے اور کچھ سنائی نہ دیتا تھا۔حقیقت میں زبان اردو کو یہ لوگ تو جلا دے گئے ۔تراکیب الفاظ، روز مرہ ،بلندی فکر، کس کس بات کی تعریف کی جاوے۔ اگر کاش کہ کچھ دن یہ دونوں عالم زبردست نثر کی طرف بھی توجہ فرماتے تو اردو زبان کی خرابیاں جو نثر میں ہیں رفع ہو جاتیں۔

ہندوستان میں شاعری کا شوق اس قدر کثرت سے ہے کہ بے چاری، اردو کی نثر درست ہی نہیں ہونے پائی۔ کوئی اس طرف توجہ ہی نہیں کرتا اور فی زمانہ اردو اخبار نویسوں نے تو رہی سہی اور بھی اس کی مٹی خراب کر دی۔ ٹوٹی پھوٹی اردو جو کچھ کہ اڈیٹر صاحب

Scanned by CamScanner

کے پاس ہے انہوں نے پرچہ اخبار میں بھردی۔اب پوچھئے کہ ہندوستانی اخبار کو کیا کوئی پڑھے اور پڑھ کر کیا خاک لطف اٹھائے میں اس گھمنڈ میں تھا کہ مراۃ الہند کی خوب رونق ہوگی ۔اردو ان کی خراب نہیں لیکن سب بلند پروازیاں میری دم بھر میں فنا فی اللہ ہوگئیں۔''

۶۔ جلد دوم نمبر۶ بابت ۱۵ مارچ ۱۸۷۶ء:

ایسا لگتا ہے کہ پورا شمارہ رتن ناتھ درسرشار نے مرتب کیا ہے ۔اس میں جو اہم اور دلچسپ مضامین ہیں ان میں سے چند یہ ہیں:

۱۔مضمون کہالت وغفلت ۲۔نیم ملا ۳۔لکھنؤ التماس ضروری ۴۔ہوا کا بقیہ بیان از سرشار ۵۔کیفیت شادی کتخدائی صغرسنی ۶۔انرشیا یعنی مادہ کی عدم قابلیت حرکت درحالت سکون وسکون درحالت حرکت از سرشار ۷۔مضمون چنڈو واشتہار

۷۔جلد دوم نمبر۷ بابت ۱۵ اپریل ۱۸۷۶ء

اس شمارے میں کوئی خاص بات نہیں ہے۔ایک مفصل مضمون ہے''دورہ پرنس آف ویلز بہادر بہ ملک ہند'' صفحہ۱۲ میں'' جنگ بہادر'' کے بارے میں درج ہے کہ:

''آج مہاراجہ جنگ بہادر وزیر نیپال جو ہمارے ہمسایہ ہیں اس شہر میں مہمان ہیں..... ابتداً جب زوجہ مہاراجہ رنجیت سنگھ قید فرنگ سے مفرور ہوکر نیپال پہنچی اس کی پناہی میں مطلق دریغ نہ کیا۔ مادر برجیس قدر مع پسر نابالغ مفرور ہوکر نیپال پہنچی اس کو بھی پنادی۔ اور گوممکن تھا کہ سرکار انگریزی ان دونوں عظیم قیدیوں کی

Scanned by CamScanner

واپسی میں حجت کرتی، لیکن ہماری دانست میں سرکار انگلشیہ نے اس کے اعتبار پر یہ معاملہ چھوڑ دیا کہ جب اس شخص نے ہم سے مراتب دوستی کے برتاؤ میں کہیں دریغ نہ کیا تو ان دونوں کے واپس لینے میں خواہ مخواہ بات بڑھے یا اس کی زمانے میں توہین ہو تو کیا ضرورت ہے۔ کیونکہ جو مطلب اصلی ان دونوں عورتوں کو ملک ہند میں زیر حراست رکھنے سے تھا تو وہاں بھی رہنے سے حاصل تھا۔''

۸۔ جلد دوم نمبر ۸ مورخہ ۱۵ مئی ۱۸۷۶ء

صفحہ ۳۔ ایڈیٹوریل ۔گورنمنٹ اخبار نویس لکھتا ہے۔

''آج کیا ہے کہ کشمیر چھین لو۔ کیوں بھائی؟ کس واسطے کشمیر نے کیا کیا۔ ہندوستان بھر میں کشمیر کی آب وہوا عمدہ انگریزی مزاج کے موافق، وہاں انگریز بہت آسانی سے آباد ہوسکتے ہیں۔ ہروقت ضرورت سرکار کے کام آسکتے ہیں۔ یہ ڈوگرے اور کشمیری پنڈت جو باغ رضوان کا مزا اڑاتے ہیں کس مصرف کے ہیں۔ درحقیقت یہ بڑی غلطی ہوئی کہ ایسا ملک ہندوستانیوں کو دے دیا۔ مہاراج کو دعوے کیا ہے۔ سوا لاکھ روپیہ انہوں نے دیا ہے اپنا لے لیں۔''

''اخبار نویس نے چھاپ دیا کہ مہاراجہ کشمیر نے کئی خون کر ڈالے۔ لیجیے یہ تازہ گل کھلایا اور دیوان کرپارام بھی شریک تھے۔ لیکن شکر ہے کہ تحفہ کشمیر نے اپنے والی ملک کی حفاظت خوب لیاقت سے کی۔''

صفحہ ۱۱ ''ضرور تربت مجنوں پہ گل چڑھاؤں گا

جواب کی خیر سے فصل بہار میں گذری''

''ایک تو کشمیری پنڈتوں سے خدایوں ہی ناراض ہے کہ ان کی جڑ ہی قائم نہیں ہونے پاتی جس کو دیکھو دال روٹی کے چکر میں پڑا ہے۔ دولت و عظمت ان کی تقدیر میں نہیں اور دوسرے حضرت ہیضہ رہا سہا ملک کو صاف کئے دیتے ہیں۔ درحقیقت خداوند تعالیٰ کے کارخانے ایسے پیچ در پیچ اور بعید الفہم ہیں کہ عقل وہاں کام نہیں کرتی ہے ۔معلوم ہوا کہ کشمیر میں اس کا عروج ہے ۔تعجب ہے کہ کشمیر کی آب و ہوا کی لطافت اس درجے کی ہو کہ کتابوں میں مشہور ہے کہ وہاں ان حضرات کا گزر کہاں ہوا۔ شاید کہ غلاظت شہر باعث اس آفت ناگہانی کی ہو۔ہمیں امید ہے کہ جس طرح منتظمان ریاست کشمیر اس کی بیخ کنی میں کوشش فرماویں۔ لائق لائق طبیب اور حکیم اس کے علاج کے واسطے متعین ہوں۔''

صفحہ ۱۷ ''قوس قزح'' از رتن ناتھ درسرشار، ماسٹر ہائی اسکول بارہ بنکی

۹۔ جلد دوم نمبر ۹ بابت ۱۵ جون ۱۸۷۶ء:

اس شمارے میں بھی اچھے اور معلومات افزا مضامین ہیں۔ چند مضامین یہ ہیں:

۱۔ کہسار ۲۔غذا ۳۔لکھنو ۱۶ مئی ۱۸۶۷ء ۴۔تجارت ۵۔تعلیم النساء ۶۔ بیان ایفائے عہد ۷۔لندن کا خط مورخہ ۱۲ مئی ۱۸۷۶ء ۸۔محنت وسیلہ دولت و کہالت مایہ نکبت

مضامین کی ابتدا سے پہلے میر انیس کی رباعی ہے

دریا دیکھوں کہ کوہ و صحرا دیکھوں
یا معدن و دشت کا تماشا دیکھوں

Scanned by CamScanner

ہر سو تیری قدرت کے ہیں لاکھوں جلوے
حیراں ہوں کہ دو آنکھوں سے کیا کیا دیکھوں

۱۰۔ جلد دوم نمبر ۱۰ بابت ۱۵ جولائی ۱۸۷۶ء:

اس میں ۹ مضامین ہیں۔ ان میں تیسرا مضمون ''لکھنو کی کبوتر بازی'' ہے۔ غالباً یہ سرشار کا لکھا ہوا ہے۔ موصوف نے ابتدائی جملوں میں اشارہ کیا ہے کہ ''اپنے وطن مالوف سے زمانہ چند سال کا ہوا اور عمدہ لوگوں سے ملاقات ہوئی۔ خصوصاً ضلع کھیری لکھیم پور اور ضلع بیلہا پرتاب گڑھ میں۔''

مضمون اسلامی ہے اور کبوتر بازی کے نقصانات بیان کیے گئے ہیں۔ اس شغل میں لکھنو کے لوگ اب بھی گرفتار ہیں۔ مضمون بہت طویل ہے۔ اس لیے لطف زبان کے باعث آخری پیراگراف درج کیا جاتا ہے:

> ''غرض اس تقریر سے یہ ہے کہ خداوند عالم ہم کو ایسی توفیق دے کہ ہم ایسے بیہودہ اشغال سے محفوظ رہیں اور اس اپنی کم ہمتی کو چھوڑ کر الوالعزمی مثل دیگر اقوام مہذب کے اختیار کریں اور یہ جو کلنک کا ٹیکا ہماری پیشانی میں لگا ہے اس کے مٹانے کی فکر کریں۔ پھر ہندوستان اپنی ہیئت اصلی پر آجائے اور بمقالہ دیگر ملکوں کے نہ شرمائے۔ افسوس کہ آفتاب سر پر آیا اور ہمارے گھروں میں ابھی صبح ہی نہیں ہوئی۔ ہم کس خواب خرگوش میں پڑے ہیں۔ ذرا پنبہ غفلت کو کان سے باہر کریں اور آنکھیں کھول کر بچشم ہوش معاملہ دنیا کو دیکھیں کہ ہماری غفلت اور سہل انگاری اور پست ہمتی نے کس قدر پائے سے ہم کو گرادیا اور تا کجا بٹیر بازی اور کبوتر بازی اور مدک اور

Scanned by CamScanner

چانڈو بازی میں ہم مصروف رہیں گے اور کب تک افیوں کی پینک میں جھوکے کھا کھا داستان سنا کریں گے ۔فرض کیا کہ ہمارے تو برے خواہ بھلے حالوں گزر گئی۔ اب ہم اپنی اولاد کے حال پر رحم کریں اور ان کی عمر عزیز برباد نہ کر جائیں۔''

۱۱۔ جلد دوم نمبر۱۱ بابت مورخہ ۱۵ اگست ۱۸۷۶ء

صفحہ ۱۰۔۱۲ ''مراسلات''

''لکھنو ۔۹ اگست ۱۸۷۶ء ، ۱۸۵۵ء خواہ ۱۸۵۴ء میں جس کو بیس برس کا عرصہ ہوا آپ نے شاہ اودھ کی عظمت اس شہر میں دیکھی ہوگی کہ کیا کیا تیاریاں قیصر باغ میں تھیں۔ کیا کیا حسینان پری پیکر ہر طرف باغ کے کمروں میں منڈلاتی تھیں۔ بادشاہ کا دل بہلاتی تھیں۔ دولت کی ترنگ، غفلت کی امنگ کیسی چھائی تھی کہ دن عید اور رات شب برات تھی۔ کوئی کہتا تھا کہ ہمارا بادشاہ بالکل کنھیا ہے۔ عجب رنگ رنگیلا ہے ۔کوئی کہتا تھا کہ ہمارا بھولا بھالا بادشاہ سارا اودھ اس پر نثار ہے۔ موا انگریز، خدا کی اس پر سنوار، نہ عقل نہ تمیز، لنگور کی قطع، اس سے آگے کیا دم مارسکتا۔ اگر آنکھ اس پر اٹھاوے تو کوس کوس کر کھاجاویں۔ یہ کس کو خبر تھی کہ اس بادشاہ کے فرزند دلبند کو بیس برس کے بعد اس شہر میں آنا نصیب ہوگا اور تعلقہ داروں سے سواری جلوس مانگنا پڑے گا۔ سو یہ سب عظمت کا زیر و زبر اس مہینے میں آنکھوں کے تلے پھر گیا۔ مرزا خوش بخت بہادر فرزند واجد علی شاہ کلکتہ سے ہفتہ دو ہفتہ کے واسطے لکھنو میں آئے۔ کچھ دن رہ کر پھر کلکتہ واپس گئے۔''

Scanned by CamScanner

۱۲۔ جلد دوم نمبر۱۲۔ مورخہ ۱۵ ستمبر ۱۸۷۶ء

صفحہ ۳ میں ''سراب عالم اسباب'' پر مولوی محمد نصرت علی مالک ناصر الاخبار کا طویل ریویو ہے۔ صفحہ ۶ میں مولوی صاحب لکھتے ہیں:۔

''سبحان علی خان اور تاج الدین حسین خان کمبوہ کہ زمانہ نصیر الدین حیدر بادشاہ میں یہ لوگ نواب گر مشہور تھے یعنی جس کو چاہتے تھے لکھنو کے بادشاہ کا وزیر بناتے تھے۔ انہی کی وجہ سے نصیر الدین حیدر کے زمانے میں صوبہ اودھ خاندان شجاع الدولہ سے جاتے جاتے رہ گیا اور ایسے ہی لوگوں کے نہ ہونے کی وجہ سے واجد علی شاہ سے سلطنت نکل گئی۔''

صفحہ ۱۸ تا ۲۳ ''باران رحمت الٰہی'' از رتن ناتھ سرشار

۱۳۔ جلد دوم نمبر۱۳۔ مطبوعہ ۱۵ اکتوبر ۱۸۷۶ء

ایڈیٹوریل کا آغاز میر انیس کی ذیل میں رباعی سے ہوتا ہے:

آغوش لحد میں جبکہ سونا ہو گا
جز خاک نہ تکیہ نہ بچھونا ہو گا
تنہائی میں آہ کون ہوئے گا انیس
ہم ہوں گے اور قبر کا کونا ہو گا

۱۴۔ جلد دوم نمبر۱۴ مورخہ ۱۵ نومبر ۱۸۷۶ء:

صفحہ ۹۔ ''پرنس آف ویلز بہادر ہند میں تشریف لائے۔ ملکہ معظمہ نے صرف ہند کی محبت اور رعایا پروری اور ہم لوگوں کے قدیم

Scanned by CamScanner

خیالات کے ساتھ ہمدردی کی نظر سے خطبات شاہنشاہی منظوری فرمایا۔ لائق اور تجربہ کار ہندوستانیوں کے واسطے جلیل القدر سرکاری عہدوں پر مقرر ہونا قرار پایا۔ قحط بنگال کا وہ عمدہ نتظام ہوا کہ ہزار ہا غربا نے پرورش پائی۔ گویا ان کی گئی ہوئی جان واپس آئی۔ ایسے وڑیر باتدبیر ہندوستان کے دوست اور خیرخواہ کی مدد کے لائق اگر ہم لوگ نہ ہوں تو کیا خالی شکریہ سے بھی گئے گزرے۔''

(ص ۱۸۔۲۱) ''خیالات رتن ناتھ سرشار، ماسٹر ہائی سکول بارہ بنکی'' کا مضمون ہے۔

۱۵۔ جلد دوم نمبر ۱۵۔ مطبوعہ ۱۵ دسمبر ۱۸۷۶ء

صفحہ ۲۴۔۲۵، ''دہلی دربار''

''سننے میں آیا ہے کہ نواب صاحب بہادر والی رامپور ایک سو زنجیر فیل دہلی روانہ فرمائیں گے۔ یہاں ایک ہزار ہاتھی سے زیادہ ہوجائیں گے۔ ابر محیط آسماں رہتا ہے۔ اگر برس پڑا تو مشکل ہوگی۔ پانی بہنے کے راستے بن رہے ہیں۔''

''مہاراجہ کشمیر نے ایک نہایت عمدہ لاکھ روپے کی تیاری کا شالی خیمہ اس پر ریشمی کام اور تین چاندی کی چوبیں یہاں روانہ کی ہیں۔ یہ خیمے اور چوب پرنس آف ویلز بہادر کے واسطے تیار کیے گئے تھے۔'' صفحہ اسٹیٹ مین ص ۲۸۔ ''مہاراجہ کشمیر اور جناب گورنر جنرل بہادر سے نہایت تپاک سے ملاقات ہوئی۔ جناب لارڈ صاحب نے فرمایا کہ بروقت پہنچنے ہندوستان کے میری دو خواہشیں دلی تھیں۔ ایک یہ کہ کشمیر کو دیکھوں اور دوم اس کے حاکم عالی رتبہ

Scanned by CamScanner

سے ملاقات کروں گا۔ گو اوّل تمنا میری آمد ہوئی اور مجھے تیقن ہے کہ تاریخ اور دل پر انگریز کا شاید اس بات کا ہے کہ اگر کوئی موقعہ آئے گا تو رنبیر سنگھ مثل اپنے پدر راجہ گلاب سنگھ کے قدم بہ قدم چلیں گے۔ مہاراجہ صاحب نے فرمایا کہ میں اور میرا گھربار جناب ملکہ معظّمہ کے واسطے جاں نثار کرنے کو تیار ہے۔''

صفحہ ۲۹۔ ''لکھنو ۱۲۔ دسمبر ۱۸۷۶ء۔ موافق دستور سابق امام باڑہ حسین آباد میں غربا کو کمبل باہتمام منشی فضل حسین صاحب تقسیم ہوئے۔ واقعی منشی صاحب بڑے لائق اور کاگزار ہیں۔ ہم دیکھتے ہیں کہ جب سے ان کا اہتمام حسین آباد میں ہوا ہے ہر ایک امر میں ترقی اور بہبودی اور صفائی اور ایجاد بہ نسبت سابق کے نظر آتے ہیں۔''

''ہم نہایت افسوس سے اس خبر کو تحریر کرتے ہیں کہ بتاریخ ۱۰ دسمبر ۷۶ء صاحبزادی ممتاز العلماء جناب سید محمد تقی صاحب مجتہد نے جو مولوی سید ابوالحسن صاحب کو منسوب تھیں اس دنیائے فانی سے بیزار ہوکر عالم جاوداں کو رحلت فرمائی۔''

۱۶۔ جلد سوم نمبر ۱۶، بابت ۱۵ جنوری ۱۸۷۷ء

صفحہ ۳۲۔ ''علی گڑھ۔ ۸ جنوری ۷۷ء کو نواب گورنر جنرل نے مسلمان کالج کی بنا ڈالی اور اسپیچ میں سید احمد خان صاحب کی کوشش کی تعریف کی۔ دعوت کا سامان سید صاحب کے مکان پر کیا گیا تھا۔ شام کو ممبران کالج نے قریب ساٹھ مسلمان اور انگریزوں کے دعوت کی۔ اکثر لوگ مختلف شہروں سے یہ جلسہ دیکھنے کو علی گڑھ

Scanned by CamScanner

آئے تھے۔''

۱۷۔ جلد سوم نمبر ۱۷، بابت ۱۵ فروری ۱۸۷۷ء

اخبار'' اودھ پنچ'' (خلاصہ مضمون)

''جب ہم دہلی دربار میں (جو ۳۱ دسمبر ۷۶ء کو ختم ہوا تھا) واپس آئے۔ اس کے دوسرے روز اودھ پنچ کا پہلا نمبر (مورخہ ۱۶ جنوری ۱۸۷۷ء) ہماری نظر سے گزرا۔ خاص منشا اس اخبار کا یہ ہوگا کہ اہل ہند کو امور قبیحہ سے نفرت دلانا، علم و ہنر اور تہذیب اخلاق کا شوق دلانا، حب وطن پیدا کرنا اور یہ فکر کرنا کہ امور نیک میں اہل ہند یک دل ہوکر کوشش کریں۔ امورات انتظام گورنمنٹ میں عقل صائب سے کام لے کر صلاح نیک دیں۔ جہلا کے ذہن میں یہ بات جمانا کہ گورنمنٹ انگلیشہ کا ہمیشہ یہ منشا ہے کہ ہند کی رعایا کے علوم و ہنر اور دولت میں روز بروز ترقی ہوگی۔ صفحہ ۱۷۔'' جب نواب شجاع الدولہ بہادر فیض آباد میں تھے کس قدر اس شہر میں رونق تھی۔ جب سے یہ پایہ تخت لکھنو قرار دیا گیا۔ کتنے رئیس اور امیر اپنے مکان چھوڑ چھوڑ کر لکھنو میں آباد ہوئے۔ جن صاحبوں نے فیض آباد میں سیر کی ہوگی وہ اس بات کی شہادت دے سکتے ہیں کہ کس قدر عالی شان عمارتیں گر گر مسمار ہوگئیں۔''

صفحہ ۲۲۔'' لکھنو یکم فروری ۱۸۷۷ء''

(ایڈیٹوریل) ابتداء میں'' روم اور روس کی جنگ کا ذکر ہے۔ اسی کے ساتھ لکھا ہے:

''ہم کو اپنے حسینان لکھنو کا کیا کم غم ہے کہ غیروں کی فکر

کریں۔ایک ہفتہ گزرا ہے کہ مشتری اس شہر میں مالا مال تھی، زر تھا، زیور تھا، مال تھا، دولت تھی۔نہیں معلوم کہ اس بے چارے کے ستارے نے کیا گردش کھائی۔ کہ ایک سینچر کوٹھے پر سے سرنگ لگا کر ہائے سب مال لے گیا۔ ایک چھلا جی نہ چھوڑ گیا۔ اب چاہے روم لڑے اور چاہے روس۔مشتری کی نظر میں دونوں سلطنتیں اسی دن لٹ گئیں جس دن اس کے مکان کا تختہ توڑ کر سب مال چور لے گیا اور ان اخبار نویسوں کو دیکھئے کہ مادہ تاریخ کا لیے تیار تھے۔ گویا اسی دن کے منتظر تھے کہ اس کے گھر میں چوری ہو تو ہم بھی تاریخ چوری کی کہیں۔ روزنامچہ لکھنو میں دو تاریخیں چوری کی من و سال دزدی مقفی اور مسجع چھپی ہوئی دیکھیں وہ یہ ہیں:

(۱) چوں بروں شد جواہرات زکان بہر تاریخ مال در سفتم
حسب قول سروش اے بے ہوش دزدی مشتری شدہ گفتم = ۱۲۹۴ھ

(۲) نامبارک شدہ ایں محرم ہائے دزد اسباب مشتری دزدید
گفت ریحان بحالت افسوس دزدی مال مشتری گردید: ۱۲۹۴ھ

۱۸۔ نمبر ۱۸۔ ۱۵ مارچ ۱۸۷۷ء:

صفحہ ۱۳۔ ''مراسلات۔تاریخ مبارک باد جشن جم'' ۱۸۷۷ء از پنڈت پیم نرائن کول تخلص حشمت۔۳۳ شعر۔

پہلا شعر امروز سحر ز خواب شیریں جستم
با روئے خوش ولب و دندان خنداں

صفحہ ۲۵۔۲۷۔ ''گوشت خور انسان اور تہذیب کا نیا میاں'' از سرشار، بارہ بنکی۔

Scanned by CamScanner

۱۹۔ نمبر۲۰، بابت ۱۵ مئی ۱۸۷۷ء:

صفحہ ۱۶۔۱۷ ''کوہ نور کی کہانی از حسن سیاح''

''دنیا میں جس قدر کہ ہیرے پڑے ہیں اس میں ایک ہیرا کوہ نور ہے اگرچہ یہ دنیا کے سب ہیروں سے بڑا نہیں ہے لیکن اس سے کوئی ہیرا زیادہ صاف بھی نہیں ہے۔ دنیا میں چند ہیرے بہت بڑے ہیں۔ تفصیل یہ ہے:

۱۔ فرانس میں ایک بڑا ہیرا ہے جس کو پٹ کا ہیرا کہتے ہیں۔ اس کا وزن ۱۲۶ ۴/۳ کرات۔ یعنی تین روپیہ دو آنے بھر ایک کرات انگریزی میں چار گرین کے برابر ہوتا ہے۔ اس ہیرے کو پٹ صاحب نے جو کہ ایک مدارس کے حاکم تھے۔ ہندوستان میں ایک جوہری سے ۲۰۴۰۰۰ روپیہ میں خریدا تھا اور انگلستان میں اپنے ساتھ لے گئے۔ اس کے اس ہیرے کو فرانس کے بادشاہ نے ۱۳۰۰۰۰۰ روپیہ کو خریدا۔

۲۔ آسٹریا کے نواب کے پاس ایک بڑا ہیرا ہے جس کا وزن ۱/۲ ۱۳۹ کرات ہے۔ یعنی تین روپیہ تین آنہ بھر۔ یہ ہیرا فلارینس کے بازار میں بلور کے دھوکے سے چار پانچ آنے کو فروخت ہوا تھا۔ اس کا رنگ شربتی تھا۔

۳۔ شاہنشاہ روس کے پاس ایک بڑا ہیرا ہے جس کا وزن صحیح ۱۹۵ کرات ہے۔ یعنی چار روپیہ پانس آنہ بھر۔ یہ ہندوستان میں مورت کی آنکھ میں جڑا تھا۔ اس کو فرانس کا سپاہی ہندوستان سے لے گیا اور روس کے شاہزادے نے ۹۰۰۰۰۰ کو خریدا اور جس سے لیا

Scanned by CamScanner

اس کو ۴۰۰۰۰ روپیہ سالانہ زندگی بھر دیتا رہا اور ملقب بخطاب امیر کیا۔ اس کا مقدار کبوتر کے انڈے کے برابر ہے۔

۴۔ پرتگال کے بادشاہ کے پاس ایک ہیرا ہے جس کا وزن ۶۸۰ کرات ہے۔ یہ ہیرا بہت بڑا ہے لیکن یہ تراشا ہوا نہیں ہے۔

۵۔ کوہ نور جو مسیح کے پیدا ہونے کے پیشتر پایا گیا تھا۔ اس کا وزن ۱۸۶ کرات یعنی چار روپے چار انے بھر ہے۔ اس کا وزن طیار کرنے کے پیشتر ۹۰۰ کرات تھا۔ اب اس کی مقدار کبوتر کے انڈے کے نصف ہے۔ یہ گول کنڈھ کی کان میں جو کہ ہندوستان کے جنوب میں واقع ہے ملا تھا۔ اب اس کی قیمت کم از کم ۲۷۶۷۶۸۰ روپیہ ہے۔ یہ بادشاہوں کے پاس تھا اور زمانہ مسیح میں یہ ہیرا اجین کے بادشاہ کے پاس تھا اور بعد اس کے جانشین سنٹرل ہندوستان کے راجاؤں کے دخل میں آیا۔ چودھویں صدی عیسوی میں جبکہ مالوہ کی بادشاہت کے مسلمانوں نے فتح کیا یہ ہیرا علاؤالدین خان بادشاہ نے پایا۔ ۱۵۲۶ء میں جبکہ بابر نے ابراہیم لودھی کو شکست دے کر ہندوستان کو فتح کیا۔ تب یہ ہیرا اس کے ہاتھ لگا اور مغل بادشاہوں کے پاس محمد شاہ اورنگ زیب کے پوتے کے وقت تک تھا۔ جب ۱۷۲۹ء میں نادرشاہ ہندوستان میں آیا تو محمد شاہ نے اس کو یہ ہیرا دیا۔ یہ بات زبان زد خلائق ہے کہ جب محمد شاہ نے نادرشاہ سے ملاقات کی تو یہ ہیرا اس کے تاج پر تھا اور نادر شاہ نے اس کو دیکھ کر دوستی میں اپنے تاج کو اس کے تاج کے ساتھ بدلنا چاہا۔ محمد شاہ نے لاچار ہوکر تاج بدل ڈالا۔ اس حیلے سے نادر شاہ نے اس ہیرے

Scanned by CamScanner

کو پایا۔ اس ہیرے کا نام نادر شاہ نے کوہ نور رکھا۔ نادر شاہ کے قتل ہونے کے بعد اس کے جانشین شاہ شجاع نے اس کو پایا اور جب وہ اپنے ملک سے نکالا گیا تب وہ ۱۸۱۳ء میں مع ہیرے کے پنجاب کے حاکم رنجیت سنگھ کے پاس آیا۔ رنجیت سنگھ نے اس سے ہیرے کو زبردستی لے لیا اور اپنے بھجیہ بند میں جڑ کے پہنا۔ یہ ہیرا رنجیت سنگھ کے خاندان میں ۱۸۴۹ء تک تھا۔ جب کہ دلیپ سنگھ اپنے تخت سے اتارا گیا تو یہ ہیرا ملکہ معظمہ کے ہاتھ آیا۔ لفٹیننٹ کرنل سیکس اور کیپٹن رامزی صاحب نے ایسٹ انڈیا کمپنی. چیئرمین اور ڈپٹی چیئرمین کو دیا اور ان لوگوں نے مع انڈین بورڈ کے پریذیڈنٹ ملکہ معظمہ کو ۳ جولائی کو پیش کیا۔

اکثر لوگ جانتے ہیں کہ کوہ نور ہیرا پانڈوں کے خزانے میں بھی رہا تھا اور بعض کتابوں میں لکھا ہے ہے کہ یہ ہیرا آگدیش کی کان سے راجہ کے وقت میں نکالا تھا۔ لیکن ہم نے یک معتبر انگریزی تواریخ میں دیکھا کہ یہ ہیرا کوہ نور کی کان سے جو مچھلی بندر سے قریب ۹۰ میل کے فاصلے پر اوتر پچھم کی طرف حیدر آباد کی علمداری میں واقع ہے نکلا تھا اور میر جملہ نے جو سابق میں گول کنڈہ کے بادشاہ کا سپہ سالار تھا اور بعد اس کے اورنگ زیب کا وزیر ہوگیا تھا۔ شاہ جہاں بادشاہ کو نذر میں گزارا تھا۔ یہ کان کوہ نور کی شاہجہاں کی علمداری سے قریب سو برس پہلے نکلی تھی۔ ایک زمیندار کو خربوزہ کا کھیت جوتتے ہوئے ایک ہیرا مل گیا اور یہی اس کان کے معلوم ہونے کا باعث ہوا۔ میری دانست میں اس ہیرے کا نام

Scanned by CamScanner

کسی شاعر نے یا نادر شاہ نے ''کوہ نوری'' کہتے کہتے ''کوہ نور'' رکھ دیا۔ اس کا وزن ۳۱۹ رتی تھا اور قیمت اس کی جوہریوں نے شاہ جہاں کے وقت میں اٹھتر لاکھ پندرہ ہزار پانچ سو پچیس روپیہ ٹھہرائی تھی۔ اس ہیرے کو شاہجہاں نے تخت طاؤس میں لگایا تھا۔ یہ تخت سات کرور دس لاکھ روپیہ کی لاگت کا بنا تھا۔ اس کا طول ۶ فٹ اور عرض ۴ فٹ کا تھا۔ ایک آٹھ لعل سوا سورتی سے لے کر اڑھائی سورتی اور ایک سو ساٹھ زمرد ۳۶ رتی سے ۴۷ رتی جڑے تھے۔ اس کے سائبان میں بے شمار ہیرے موتی لگے ہوئے تھے اور جھالر سراسر موتیوں کی تھی۔ اس کی محراب پر ایک طاؤس طلائی دم پھیلائے ہوئے جواہرات سے مرصع بیٹھا ہوا تھا۔ جس کی دم میں بالکل نیلم اور چھاتی پر ایک بڑا سا لعل چمکتا اور ۶۳ رتی کا ایک موتی گردن میں اور ہیرے کا گوشوارہ ایک سو ستر رتی کا لٹک رہا تھا۔ اس تخت کا سائباں بارہ چوبوں پر کھڑا ہوا تھا اور چوبوں پر نو نو رتی سے بارہ رتی تک کے نہایت آبدار گول موتی جڑے ہوئے تھے اور اس کے دو طرف دو چتر ہے جن کی ڈنڈیاں آٹھ آٹھ فٹ لمبی اوپر سے نیچے تک ہیروں سے جڑی تھیں۔ نادر شاہ اس تخت کو ایران کی طرف لے گیا تھا۔ احمد شاہ درانی ایران سے کابل میں لایا اور پھر شجاع الملک سے اس ہیرے کو جو اس تخت میں لگا تھا، رنجیت سنگھ نے چھین لیا۔ پہلے تو جب شجاع سے رنجیت سنگھ نے لاہور میں اس ہیرے کو طلب کیا تو اس نے بہانہ کیا کہ وہ ہیرا قندھار میں کسی مہاجن کے پاس گرو ہے۔ لیکن رنجیت سنگھ ایک ہوشیار آدمی

Scanned by CamScanner

تھا۔اس نے ہرگز اس بات کا یقین نہ کیا اور اس کے محل کے چوگرد پہرہ بٹھادیا کہ بغیر تلاشی لیے کسی کو وہاں آنے جانے نہ دو۔ شاہ شجاع نے رنجیت سنگھ سے کہلا بھیجا کہ میں بھی اپنے ملک کا بادشاہ ہوں اور قسمت کی خوبی سے اس وقت تیرے ملک میں پناہ لینے آیا ہوں۔ مجھ مہمان پر تجھ کو ایسی زیادتی لازم نہیں ہے لیکن مہاراج کو تو یہ ہیرا کسی طرح اس سے لینا منظور تھا۔حکم دے دیا کہ کھانے پینے کی کچھ چیز اندر نہ جانے پائے۔ تب شاہ نے لاچار ہوکر اس ہیرے کو دے دینا منظور کیا۔

پہلی تاریخ جون کو مہاراجہ رنجیت سنگھ تنہا جاکر شاہ شجاع سے ہیرا لے کر اپنے گھر چلا آیا اور اس کو رہا کردیا۔ ۱۹ مارچ کو (ایسٹ انڈیا کمپنی) سرکار انگریزی نے اسے لاہور کے خزانے سے اپنے قبضے میں کر لیا۔ غرض یہ ہیرا ہندوستان کے بادشاہ کا تھا اور اتنے دن کے بعد پھر اسی ملک کے بادشاہ یعنی ملکہ معظّمہ قیصر ہند کے ہاتھ میں آ گیا۔ ملکہ معظّمہ نے بہ سبب اس بھدی تراش اور خراب جلا کے پتھر ترشوایا ہے۔ یقین ہے کہ اب یہ انمول رتن قیصر ہند کے تاج میں لگا ہوا۔''

ملک العلما مولاسید بندہ حسین جناب سیدالعلما مولانا سید محمد قبلہ کے فرزند اور علامہ غفراں مآب کے پوتے تھے۔عالم جید اور یکتائے روزگار فلسفی تھے۔انہوں نے ہی شاعر اعظم میر انیس کی نماز جنازہ پڑھائی تھی۔مولانا کی تاریخ وفات میں اختلاف ہے۔ ان کے اخلاف کو بھی صحیح تاریخ معلوم نہیں ہے۔اب یہ اختلاف مراۃ الہند سے دور ہوا۔ ان تاریخ وفات ذیل کے پرچے سے معلوم ہوئی۔

Scanned by CamScanner

۲۰۔ جلد ۳ نمبر ۲۳۔ مورخہ ۱۵ جولائی ۱۸۷۷ء:

صفحہ ۳۲ ''لوکل۔ حیف صد حیف، افسوس ہزار افسوس کہ خانہ اجتہاد بے چراغ ہوگیا۔ یعنی جناب ملک العلما مولانا سید بندہ حسین صاحب مجتہد العصر والزمان نے بورڈ تپ دق مبتلا ہوکر ۱۲ جولائی ۱۸۷۷ء کو رحلت فرمائی۔''

۲۱۔ جلد ۳، نمبر ۲۳، مورخہ ۱۵ اگست ۱۸۷۷ء:

صفحہ ۳۳۔ ''حکام کی خوشامد'' از سرشاد

''انسان کی محبت'' ہندوستان کے مسلمانوں کی بہبودی اور برتری کے واسطے علی گڑھ میں کیا اچھا مدرسۃ العلوم قائم ہوا ہے جس میں ہر قسم کا علم پڑھایا جائے گا۔ ہر قسم کا ہنر سکھایا جائے گا اور وہیں کی سوسائٹی سے کیا کیا عمدہ تجاویز مسلمانوں کی بہبودی کے واسطے نکلتی ہیں۔ سید احمد خان صاحب سی ایس آئی نے قوم کی بہبودی کے واسطے کیسی محنت شاقہ اپنے اوپر گوارا کر رکھی ہے۔ گو بہت سے ہٹ دھرموں نے اس کو اکھاڑنا چاہا مگر چونکہ نیک نیتی کا نتیجہ بھی ہوتا ہے اس لیے جس قدر لوگ پرخاش کرتے رہے، اسی قدر اس کی جڑ ہندوستان میں مستحکم ہوتی گئی۔ چند اہل ہنود نے اپنی قوم کی بہبودی کے واسطے جابجا مثل بریلی و شاہجہاں پور و لاہور وغیرہ میں کمیٹیاں قائم کیں اور یہ سب لوگ قوم کی بہبودی دل سے چاہتے ہیں۔ پھر تو اس نیک بخت نے ٹھنڈی ٹھنڈی سانس بھر کر کہا کہ سید احمد خان کی نسبت تو لوگ بہت کچھ طعن کرتے ہیں اور لامذہب بتاتے ہیں۔''

صفحہ ۳۲۔ ''لوکل۔ ۶ تاریخ ماہ حال (اگست ۱۸۷۷ء) کو محلہ

Scanned by CamScanner

چوپٹیا۔ پنڈت رائے دلارام صاحب بیکنٹھ پاس کی بارہ دری میں محبّ خاص ولی ابنولی، دوستدار جگر گوشہ محمد عربی، عاشق جانباز حسین ابن علی ،میر اعظم علی صاحب کے یہاں مجلس ہوئی اور شاعر شیریں بیاں بلبل ہندوستان ذکر لخت دل رسول الثقلین اعنی اباعبدالحسین میر خورشید علی صاحب متخلص بہ نفیس صاحبزادہ میر ببر علی صاحب متخلص بہ انیس نے مرثیہ نو پڑھا۔ تعریف روزمرہ اور صفائی بندش اور خوبی کلام اور حسن صف آرائی جیسی کچھ اس مرثیے میں نظم تھی بیان فرمائی ۔ بے انتہا داد حاصل کی۔ باوجود اس شدت گرمی کے اس مجلس میں اکثر تعلقہ دار اور شرفا اور امراء اور روسائے شہر موجود تھے۔ ہزارہا آدمی کا مجمع تھا۔ بعد فراغ مجلس میر صاحب موصوف الصدر یعنی میر اعظم علی صاحب نے بہت عمدہ اور نفیس برف آمیز شربت تقسیم کیا۔ جس کے پینے سے مضار مجلس نے درود اوپر روح مطہر رسولؐ اور آل رسولؐ کے پڑھا۔''

۲۲۔ جلد چہارم نمبر ۲۸ بابت ۱۵ جنوری ۱۸۷۸ء:

ایڈیٹوریل ذیل کی رباعی سے شروع ہوتا ہے۔

کسی کا کندہ نگینہ پہ نام ہوتا ہے
کسی کی عمر کا لبریز جام ہوتا ہے
عجب سرا ہے یہ دنیا کہ جس میں شام و سحر
کسی کا کوچ کا مقام ہوتا ہے

Scanned by CamScanner

۲۳۔ جلد چہارم نمبر۲۹۔ مورخہ ۱۵ فروری ۱۸۷۸ء:

صفحہ ۲۸۔ ''کشمیر میں فی روپیہ دھان اور جوار ۶۵ سیر، جو ۴۳ سیر اور گندم ۱۸۔۲/۱ سیر ہے۔ وزیر پہنو گورنر کشمیر نے تھوڑا عرصہ ہوا خود بیان کیا تھا کہ میرے پاس اس قدر غلہ جمع ہے کہ ۳ سال کو کافی ہوگا، بلکہ پہاڑی لوگ کشمیر سے اب تک غلہ لے جاتے ہیں۔''

۲۴۔ جلد چہارم نمبر۳۱ بابت ۱۵ اپریل ۱۸۷۸ء:

صفحہ ۲۶۔ ''کشمیر میں گرانی غلہ کے سبب سے اغلب ہے کہ مری اور پونچھ کے راستے بند کر دیئے جائیں۔ پیر پنجال کا رستہ کھلا رہے گا۔ مگر ۱۰ مئی ۱۸۷۸ء تک اس طرف سے بوجہ برف کے آمد و رفت ناممکن ہے۔ لاہور کا ایک اخبار راوی ہے کہ ہزاروں قحط زدہ زن و مرد کشمیر سے انگریزی علمداری میں چلے آئے۔ سیال کوٹ میں وہاں کے تین ہزار سات سو آدمی پرورش پاتے ہیں۔ مہاراجہ صاحب بہادر والی کشمیر اس قحط کشمیر کے انتظام میں ہمہ تن مصروف ہیں۔''

۲۵۔ جلد چہارم نمبر۳۵ مورخہ ۱۵ اگست ۱۸۷۸ء:

صفحہ ۴۔ ''طرحی مشاعرہ''۔ ''فکر عالی نے مضامین بھی عالی باندھے''

''اور شاعران نازک خیال سے عرض کرتے ہیں کہ باہتمام منشی سید امداد حسین گرد اور مطبع بہار کشمیر بمکان انجمن تہذیب لکھنو مشاعرہ قرار پایا ہے۔ جو صاحب بیرونجات سے اس طرح پر غزل نظم فرما

کرعنایت فرمائیں گے ۔وہ ضرور بروز مشاعرہ پڑھی جائے گی اور جو اشعار ہمارے اس مضمون کو ثابت کر دیں گے وہ اوّل درج رسالہ ہذا کریں گے اور بعد ازاں بحیثیت مجموعی بذریعہ انجمن تہذیب لکھنو چھپوا کر اس امر کی سفارش کریں گے کہ مجموعہ ہند کے مدارس میں طلبہ کوضرور پڑھایا جائے ۔سکنائے شہر کو تاریخ مشاعرہ سے ایک ہفتہ قبل معہ مصرع طرح مہتمم مشاعرہ ضرور اطلاع دیں گے۔''

جیسا کہ مذکور ہو چکا ہے کہ ''مراۃ الہند'' میں سرشار کے وہ مضامین درج ہیں جو انہوں نے فسانۂ آزاد سے قبل لکھے تھے ۔ان کا حوالہ آج تک میری نظر سے نہیں گزرا۔ مثال میں ایک مضمون خیالات رتن ناتھ سرشار (مطبوعہ جلد دوم نمبر ۱۴ مورخہ ۱۵ نومبر ۱۸۷۶ء شامل مضمون کیا جاتا ہے۔

خیالات رتن ناتھ

ایک دن چھٹپٹے وقت گھر پر بیٹھے بیٹھے طبعیت ایسی گھبرائی کہ طرح طرح کے خیال دل میں آ جمے۔ سوچتا تھا کہ بار خدایا کہ کہاں جاؤں ۔دل کیوں کر بہلاؤں۔کبھی تماشائے چمن اور گلگشت نسرین ونسترن کے لیے دل بھر بھراتا تھا۔ دل بیٹھا جاتا تھا کہ یکا یک میں اٹھ کھڑا ہوا اور بستی کے باہر ٹھنڈی سڑک پر ہواخواری کے واسطے چلا گیا۔ دل کی تازگی بخشنے والی ہوا سے سبزان چمن مستوں کی طرح جھوم رہے تھے اور درختان بار آور زمین کو چوم رہے تھے ۔چلتے چلتے کیا دیکھتا ہوں کہ خیرات خانے کے پورب طرف سنہرا سنہرا آسمان عجب لطف بہار دکھاتا ہے اور دل کو لبھاتا ہے ۔ایسا بے اختیار ہوا کہ آؤ دیکھا نہ تاؤ۔خیرات خانے میں گھس ہی تو پڑا اور سیدھا پورب کی طرف چلا۔سورج کی رنگارنگ کرنیں سنہری ،قرمزی، نیلی، آبی کائنات الجو سے گزر کر بصر پر پڑتی تھیں۔اس وقت مارے خوشی کے جامے میں نہ سماتا تھا۔غنچہ دل کھلا جاتا تھا۔خصوصاً قرمزی شعاع پر تو وہ جوبن تھا کہ شہاب اور لالہ کا رنگ

Scanned by CamScanner

اس کے آگے پھیکا پڑ جاتا۔ یاقوت احمر اس کے حسد سے ہیرا کھاتا۔ قدرت کی بہار اور اس کی شعاع زرنگار دیکھتا ہوا عشق عش کر رہا تھا کہ دفعتاً پچھم کی طرف نگاہ گئی۔ ہائے سارا مزا کرکرا ہوگیا۔ کیا دیکھتا ہوں کہ ایک کمرے میں دس دس اندھے پڑے زندگی کے دن پورے کر رہے ہیں اور زبان حال و قال سے یہی پکارتے ہیں کہ اے آنکھوں والے بابا انکھیاں بڑی نعمت ہیں۔ لاکھ ضبط کیا مگر آنکھ سے آنسو نکل ہی تو پڑے۔ فاعتبروا یااولی الابصار۔

دوسرے دلان میں اپاہج لولے لنگڑے بیٹھے تھے اور میرے ہاتھ اور پاؤں کو دیکھ کر گویا دل میں یہ کہہ رہے تھے۔

بلبلو! کس کو دکھاتی ہو عروج پرواز
ہم بھی اس باغ میں تھے قید سے آزاد کبھی

یہ حال دیکھ کر میرا عجب حال ہوا۔ نہ جائے ماندن نہ پائے رفتن۔ تین چار قدم کے بعد تیسری پارک میں دس پانچ بیمار کسی کو تپ دق، کسی کو بخار کمل لپیٹے چپ چاپ پڑے ہیں۔ پاؤں کی آہٹ پاکر ان میں سے دو ایک کلبلا کر اٹھ بیٹھے اور ایک ایسی نگاہ حسرت آلود سے جس سے سنگدل بھی موم ہوجائے دیکھ کر اسی طرح لیٹ رہے اور بعض ان میں سے ایسے خستہ دل تھے کہ منکے تک نہیں۔ اتر کی سمیت نگاہ کی تو کیا دیکھتا ہوں کہ کوئی پچاس قدم کے فاصلے پر ایک چھوٹی سی پارک ہے اور اس میں ایک سناٹا سا پڑا ہے۔ سنسان، ہوکا عالم، ہاں ایک دیا البتہ ٹمٹماتا ہے۔ باقی خیر صلاح، معلوم ہوا کہ اس میں جزامی بچارے مصیبت کے مارے دنیا و مافیا سے رشتہ انس و محبت توڑ، عیش و نشاط سے منہ موڑ، سب سے الگ تھلگ گوشہ عافیت میں بیٹھے ہوئے ایڑیاں رگڑ رہے ہیں۔ تارک الدنیا کیسے متروک الدنیا ہو گئے۔ غرض کہ ان باتوں نے میری طبیعت کو ایسا پریشان اور مجھے ایسا حیران کیا کہ وہاں سے:

ع ہمہ شوق آمدہ بودم ہمہ حرماں رفتم

Scanned by CamScanner

کہتا ہوا واپس ہوا۔ سڑک پر پہنچا تو دیکھتا ہوں کہ ایک میلا سا جما ہے۔ ٹھٹھ کے ٹھٹھ، ایک پر ایک گرا پڑتا ہے۔ میں نے دل میں کہا کہ شاید یہاں کچھ دلبستگی کی صورت ہو۔ چلو دیکھو تو سہی۔ یہ بھیڑ بے وجہ نہیں۔ قریب پہنچا تو دیکھا کہ ایک پنڈت جی مہاراج ٹخنوں تک دھوتی، سر پر لال ٹوپی گلے میں لدراج کا مالا۔ اس قطع سے پالتھی مار کر بیٹھے ہیں اور بڑے شوق سے ہاتھ دکھا رہے ہیں کبھی پوچھتے ہیں کہ مہاراج ہمارے کے لڑکے ہوں گے۔ کبھی عمر دریافت کرتے ہیں۔ کبھی وفات کا حال استفسار کرتے ہیں۔ میں بھی بھیڑ کاٹ کر ان کے پاس گیا۔ اجی منشی صاحب! تسلیمات ارے میاں باایں ہمہ شخصیت یہ تمہیں کیا سوجھی۔ بھلا یہ مورکھ پنڈت کیا جانے۔ بہت ہی جھلائے۔ فرمایا تم انگریزی پڑھ کر سٹان ہو گئے۔ جغرافیہ دیکھنے سے بے ایمان ہو گئے اور لطیفہ سنئے۔ ایک مولانا صاحب باریش سفید یک مشت دو انگشت عمامہ فضلیت برسر۔ پائجامہ نیم ساق پہنے ان کے ہمزبان ہوئے۔

[ارے جناب پنڈت صاحب قبلہ۔ واللہ باللہ ثم باللہ۔ ہم باوصفیکہ مسلمان ہیں، تاہم اس قسم کے باتوں کی صداقت کے معترف ہیں اور یہ امر بوجوہ کاملہ مسلم الثبوت اور مثل علوم متعارفہ ابین بین الامس بلکہ اظہر من الشمس ہے کہ قادر علی الاطلاق عزاسمہ نے ہمارے ہاتھوں کے خطوط میں امور اور حال و ماضی اور مستقبل کا حال ثبت کر دیا ہے۔]

جل جلالہ۔ یک نہ شد دو شد۔ ہم تو ان ہندو منشی جی ہی کو رو رہے تھے۔ یہ مولا صاحب بھی باایں ہمہ شیخت و بلاغت منڈے۔

اس جگہ سے پھر میرا خیال خیرات خانے میں ہو رہا۔ میں دل میں سوچنے لگا کہ آنکھوں کے اندھوں کے لیے تو سرکار نے خیرات خانہ بنایا۔ جس میں اپاہج لولے لنگڑے بلاوقت زندگی بسر کرے ہیں۔ لوگوں کو خدا نے آنکھیں عطا کی ہیں۔ مگر وہ بری ہی چیزیں ہمیشہ دیکھتے رہتے ہیں۔ پاؤں میں لیکن اچھی جگہ نہیں جاتے۔ ہاتھ ہیں الا نیک کام نہیں کرتے۔ ایسے لوگوں کی اصلاح کے لیے کیا فکر ہو رہی ہے؟ سرکار نے اسکول جاری کیے

Scanned by CamScanner

تا کہ علم کی روشنی سے جہالت کا اندھیرا دور ہو جائے اور کافور ہو جائے مگر آؤ دیکھیں تو کیا ہند میں کوئی نیک شخص ایسا بھی ہے جس نے اپنے ہندی بھائیوں کی بہتری کے لیے فکر کی ہو۔ گلگون خیال چار دانگ ہند میں دوڑنے لگا۔ پتا توڑ جارہا تھا کہ دفعتا علی گڑھ میں ایک پکی عالیشان عمارت کے قریب ٹھہر گیا۔ میں نے مزدوروں سے پوچھا کہ یہ کون عمارت ہے۔ ایک طالب علم عربی جوان نے بآواز بلند فرمایا کہ مدرستہ العلوم۔ جل جلالہ کہہ کر میں نے اہل اسلام ہند کے سچے ریفارمر نجم الہند مولوی سید احمد خان صاحب کا نام ان اولعزم آدمیوں کی فہرست میں لکھ لیا جو اہل اسلام ہند کی تہذیب کے لیے دامے، دامے، قدمے، سخنے کوشش بلیغ کر رہے ہیں۔

وہاں سے کیت سبک عنان خیال پھر ہوا ہوا۔ لکھنو میں حسین آباد کے قریب سرد اور بکرمان سنگھ کی کوٹھی کے پاس رک رہا۔ معلوم ہوا کہ فخر ہندوستان افتخار برہمنان مہاراج ادھیراج کرپاندہان ابلغ البلغا افصح الفصحا دیانند سرسوتی جن کے خورشید علم و فضل کی شعائیں اطراف و اکناف ہند میں مخفی تھیں اپنے چیدہ چیدہ لیکچروں سے عقل کے اندھوں کو نور بخشتے ہیں۔ اللہ بس باقی ہوس۔"

∗·∗·∗·∗·∗·∗·∗

Scanned by CamScanner

رجسٹرڈ نمبر (۲۵)
Registered No 25

ضمیمہ رسالہ مجاریہ مہتممان مراسلۂ کشمیر مسمی بہ

جلد دوم
نمبر ۲۱

MIRAT UL HIND

مرآۃ الہند

READ & REFLECT

۱۵- نومبر سنہ ۱۸۷۶ء

مطبع بہار کشمیر لکھنؤ میں باہتمام پنڈت کشن نراین چھپکر شایع ہوا